عربی تاریخ نگاری

(از خالد کمال مبارکپوری)

مسلمانوں نے اپنی تاریخ کو زندہ و برقرار رکھنے کے لئے بہت جد و جہد کی ہے، تاریخ کی روایت اس کا درس اور اسکو ثقافت عامہ کا ایک اہم جُز قرار دینا، نیز اس موضوع پر تصانیف کا انبار لگا دینا اس دعوے کا بیّن ثبوت ہے، نیز مسلمانوں نے روزمرہ کی زندگی سے لیکر واقعات و حادثات تک، اور داخلی معاملات سے لیکر خارجی اور بیرونی تعلقات کے ہر ہر موڑ پر تاریخ کا سہارا لیا، اور اس کی ضرورت محسوس کی۔

فن تاریخ کے اہتمام و اعتناء کے محرکات و اسباب میں ہم کئی چیزوں کو شمار کر سکتے ہیں مثلاً آپ جب مجد و شرف اور اعزاز و احترام کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے جو مسلمانوں اور خصوصاً عربوں میں طبیعت بشریت کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں، اور ان کی بدوی زندگی سے لیکر شہری زندگی تک کے ہر ہر مرحلہ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں تو آپ یقیناً بڑی شدت سے تاریخ کی اہمیت اور اس کی ضرورت کو عربوں کے نزدیک محسوس کریں گے جس کے ذریعے وہ ان روایات کو زندہ رکھنے میں کامیاب ہو سکیں۔

اسی طرح اسلام کی آمد بھی تاریخ کی اہمیت کے لئے ایک دستاویز ثابت ہو گئی، تاکہ اسلامی کارناموں کو تاریخ کے صفحات میں مقیّد کر کے خود عرب اور دوسری قوموں کو فائدہ پہونچایا جا سکے، اور اسلامی واقعات و حادثات اور اس کے احکام و اوامر کو بعد کے لوگوں کے لئے محفوظ رکھا جا سکے، نیز آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت و سوانح اور مجاہدین اسلام کی جہادی سرگرمیوں سے بھی آنے والے لوگوں کو آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے جس کے لئے بغیر تاریخ کا سہارا لئے ایک قدم بھی اٹھانا مشکل ہے۔

عہد نبوی صلعم کے واقعات و حوادث کی اہمیت، آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں ظاہر ہو گئی تھی اور صحابۂ کرام نے عہد نبوی صلعم کے واقعات و حوادث کی روشنی میں آنے والے مسائل کو سوچنا شروع کر دیا اور اپنی آئندہ سرگرمی جاری رکھنے کے سلسلہ میں انھیں واقعات و حوادث کو اپنا مطمح نظر بنایا اور ان واقعات کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کر دیا، تاکہ یہ واقعات ہمیشہ زندہ رہکر ہماری رہنمائی کیا کریں۔

اس کے علاوہ عربوں کو یہ احساس تھا کہ ہم اصحاب رسالت صلعم ہیں اور رسالت صلعم نے ہمارے اوپر بڑی ذمہ داریاں سونپ دی ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے اعمال و واقعات کو محفوظ کرنا شروع کر دیا، تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے کامیاب طریقے پر عہدہ برآ ہو سکیں اور آنے والوں کو اپنے افعال و اعمال کی روشنی میں آگے بڑھنے کا موقع دیں۔

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مسلمانوں کو تاریخ کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا گیا اور انہوں نے حسب ضرورت اس میں اضافہ کرنا بھی شروع کر دیا۔ پہلے وہ گذشتہ واقعات و حادثات کے لئے تین نام استعمال کرتے تھے، ایام، اخبار، سیر، اس کے بعد ان تینوں کے مجموعہ پر لفظ تاریخ کا اطلاق کرنے لگے جو توقیت کے ہم معنی ہے اور اس سے ان کی مراد وہ علم قرار پایا جو گذشتہ واقعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

مُسلمانوں کی اِس مذہبی ذمّہ داری اور تاریخ پروری کو دوسری قوموں نے کینہ و حسد کی نظر سے دیکھا، اور پھر وہ مُسلمانوں کے اِس محبُوب فن پر اپنی نکتہ چینی اور بغض پروری کو برسرِکار لانا شروع کیا، جسے دیکھ کر مُسلمان مورخین اس ناپاک حملہ کو روکنے کے درپے ہو گئے، اور انہوں نے عربوں کے مختلف ادوار کی تاریخ پیش کرنی شروع کی، اور اسی کے ساتھ اُن غیر مہذب قوموں کی خبر لینی بھی شروع کر دی جو مسلمانوں کی تاریخ پروری کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے تھے تاکہ وہ دونوں کو سامنے رکھ کر آنے والی نسل کو ثالث بنائیں اور اُن سے اِنصاف چاہیں کہ کون کتنے پانی میں ہے، اور اُن پر یہ حقیقت اچھی طرح ہو جائے کہ عرب ایک صاحب تاریخ قوم ہے جبکی تاریخ کا سلسلہ اسلام سے بھی ملتا ہے اور قبل اسلام کے زمانے سے بھی متصل ہے، اور دُنیا یہ جان لے کہ عربوں نے اسلامی تہذیب کو غیر تک پہنچانے کا کتنا اہتمام کیا تھا ــــ، اِسکی تفصیل تو مستقل ایک الگ عنوان چاہتی ہے۔ لیکن مختصراً اتنا عرض نہ کرنے سے بھی چارہ نہیں کہ اس کی مثال میں ہم بلاذری کو پیش کر سکتے ہیں جس نے "فتوح البلدان" لکھ کر عرب کے مختلف دور کی تاریخ کو واضح کر دیا، ساتھ ہی عربوں کی حیثیت اور اُن کے مقام و موقف کی بھی اس نے کماحقہ ترجمانی کی ہے۔

اِسی طرح "انساب الاشراف" کی تصنیف بھی عربوں کی زعامت و ریاست اور عربی تاریخ میں ان کی حقیقت کو واضح کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے جس سے اسلامی ممالک کی تنظیم میں ان کے اہم کارناموں کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ابن قتیبہ نے "معارف" لکھ کر عربی تاریخ اور عربی ثقافت کے درمیانی اتصال کو واضح کر دیا، اور آنے والے ثقافت کے دلدادوں کے لئے عربوں کی تاریخ کی اہمیت دوسری قوموں کے مقابلہ میں صاف ظاہر کر دی۔

اِسی سلسلہ میں آپ اصمعی کی تصنیف کو بھی لے سکتے ہیں، جو قبل اسلام کی عربی تاریخ پر مشتمل ہے، جس کا مقصد آنے والوں کو یہ یاد کرا دینا ہے کہ عرب ایسی قوم ہے جس کے پاس ماضی کی روایات کے تہذیبی انبار اسلام سے پہلے بھی تھے اور اسلام کے بعد بھی موجود رہے، اور آج بھی ایک نئی آن بان کے ساتھ برقرار ہیں۔

یہاں پہونچکر عربوں کی تاریخ نویسی کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی تاریخ کا دارومدار کسی مضبوط بُنیاد اور خاص نقطۂ نظر پر ہے یا دوسرے مقاصد اس کے پیچھے کام کر رہے ہیں؟ اور آیا کیا انہوں نے صرف روایات بیان کر دی ہیں یا ان پر تنقیدی نظر بھی ڈالی ہے؟ اِس قسم کے سوال کا پیدا ہونا تاریخ سے لاعلمی یا سرسری مُطالعہ کا پتہ دیتا ہے، ورنہ عربی تاریخ کا غائر مطالعہ کرنے والے کبھی اس قسم کا سوال نہیں اُٹھا سکتے، کیونکہ تاریخ کا ہر مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ عرب مورخین کے پاس روایات و اخبار کو جانچنے کا ایک خاص اہتمام تھا، یہی وجہ ہے کہ کسی روایت و خبر کے معتبر و غیر معتبر ہونے کا دارومدار اس کے راوی پر ہوتا تھا اور اس راوی کو صداقت، حقیقت پسندی، دقتِ نظر، کے معیار پر جانچا جاتا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ روایات کے متون و مضامین سے زیادہ راویوں پر جرح و قدح ہونے لگی لیکن عربی تاریخ کے ابتدائی دور کے مُطالعہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایات کے متن اور ان کے اتصال پر زیادہ توجہ کی جاتی تھی اور وہی روایت معتبر سمجھی جاتی تھی۔ جو متعدد طرق سے، متعدد راویوں کے ذریعے روایت کی گئی ہو، رہا راویوں کی سند اور ان کا تسلسل، تو یہ عرب مورخین نے محدثین سے حاصل کیا ہے، جس کی بُنیاد سب سے پہلے مدینہ میں رکھی گئی اور وہاں سے پُورے عالمِ اسلام میں پھیل گئی۔

• عرب مورخین نے واقعات و حوادث کی تاریخ پر تنقید و تبصرہ کے بعد دوسرے بھی بہت سے راستے اختیار کئے

مثلاً انہوں نے غریب و ضعیف روایات کو بڑی صفائی سے ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا، اور ایسی روایات کی تنقید کرتے وقت ان کے ماخذ پر برابر نظر رکھتے رہے، اور انہوں نے مختلف روایتوں کو ایک دوسرے پر تقدیم و ترجیح کے قواعد و ضوابط مقرر کئے۔ اور اس سلسلہ میں سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے راویوں کے تراجم لکھے تاکہ ان کے میلانِ طبع، ان کے ماحول کا اندازہ لگایا جا سکے، یہ عظیم کارنامہ روایات کی قدر و قیمت معلوم کرنے میں بڑا مساعد و معاون ہوتا ہے۔ لیکن اکثر عرب مورخین نے حوادث و واقعات کی تحلیل نہیں کی اور فیصلہ قارئین کی رائے پر چھوڑ کر روایات کو جُوں کا تُوں بیان کر دیا، البتہ بعض مورخین نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے اور بتلایا ہے کہ فلاں روایت ناقابلِ قبول ہے، اور فلاں روایت قبول کی جا سکتی ہے۔

قدیم مورخین میں طبری، بلاذری، یعقوبی نے عام مورخین سے زیادہ دقتِ نظر، حقیقت پسندی، اور غیر جانبداری سے کام لیا ہے جیسا کہ اُن کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ پر قلم اُٹھانے کے لئے مواد و فراغت اور مُطالعہ کی سخت ضرورت ہے مضمون نگار کے لئے یہ میدان آسان نہیں ہے بلکہ تاریخ کو صحیح علمی جامہ پہنانا بہت مُشکل کام ہے اور ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے، بالفرض اگر ہم اسے ہر مضمون نگار کے لئے آسان مان بھی لیں تو صرف واقعات کو چند تاریخی کتابوں سے منتخب کر کے یکجا کر دینا اور اُن پر تنقیدی نظر نہ ڈالنا تاریخ نویسی نہیں ہو سکتی، پھر آج کے مورخ پر ضروری ہے کہ وہ اسکو جدید طرز پر تحریر کرے ورنہ تاریخ کا موضوع ہمیشہ سے خشک رہتا چلا آیا ہے اور اب تک اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورخ اور عوام دونوں اس سے بیزاری کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور تاریخ کا اصل مقصد کسی قوم کی سیرت کو سمجھنا فوت ہو جاتا ہے۔

پھر ہماری تاریخ دوسری اقوام کی طرح صرف افراد اور حاکم کے قبیلہ کی تاریخ پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس وہ ایسی قوم کی مکمل تاریخ ہوتی ہے جو زندگی کے مختلف مراحل سے گذر چکی ہے، اور اگر کوئی مورخ انفرادی تاریخ لکھتا بھی ہے تو اُس وقت جبکہ اسے انفرادیت ہی میں اجتماعیت کا پورا عکس مل جاتا ہے، ورنہ عوامی، سیاسی، اجتماعی، اقتصادی تاریخ ہماری خصوصیات ہیں۔

بہر صورت قوم ہی تاریخ کو جنم دیتی ہے اور اپنی شان وحدت کا اکتساب کرتی ہے، یہی سیاسی تبدیلی جس میں ایک برسر اقتدار آتا ہے، دوسرا تخت و تاج سے محروم ہوتا ہے، ایک قبیلہ عنانِ حکومت کا مالک ہو جاتا ہے، دوسرا ناکام ہوتا ہے تو یہ بھی سماج ہی کا ایک عکس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مورخ کو اسلامی تاریخ ایک ایسی اُمت کی تاریخ کی طرح لکھنی چاہئے جس کے حلقے آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔

اس زمانہ میں تاریخ نویسی کا دو طرز ہونا بہت ضروری ہے۔ اربابِ ذوق اپنے اپنے مذاق کے مطابق جسے چاہیں اپنائیں اوّل یہ کہ تاریخ ایک خاص نظریہ اور مخصوص مفروضات کے ساتھ لکھنی پڑھنی چاہئے اور اُن نظریات و مفروضات کو تاریخ کے واقعات میں تلاش کرنا چاہئے، اور ان دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے اس کی مثالیں آج ہمارے سامنے بکثرت موجود ہیں۔

چنانچہ کوئی مورخ ایک قوم کی عظمت اور اس کا تفوق تاریخ کے صفحات کو کھنگال کر نکالتا ہے اور تاریخی واقعات سے اُن کو صحیح ثابت کر دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اور کوئی مختلف مقامات و ممالک کی پیداوار اور محصولات کا مطالعہ کرتا ہے اور اس طرح اقتصادی مسائل کو تاریخ سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کے وجود سے آج کوئی انکار نہیں کر سکتا، اور بعض مورخین غور و فکر کو ترقی کا اصل مبنی قرار

دینے کے لئے تواریخ کا سہارا لیتے ہیں اور واقعات کو پیش کرکے اپنی بات کو مضبوط کرتے ہیں، اور ثابت کرتے ہیں کہ تاریخ افکار و اختلافات کے دونوں مواد اپنے دامن میں رکھتی ہے جن کے ٹکراؤ سے ایک تیسری صحیح رائے پیدا ہو سکتی ہے، اور بہت سے ایسے بھی مورخین ہیں جو تاریخ کی روشنی میں مذہب اور اس کی تعلیم کو تلاش کرکے اس سے ہم آہنگ ہونے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا نظریات آج تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس نہج پر تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تاریخ کو اپنے سیاسی، اقتصادی اور معاشی نظریات کی تائید میں واقعات کی شکل میں پیش کریں، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ تاریخ کو نظریات کی ترویج و اشاعت کا کامیاب ذریعہ بنانا چاہئے۔

تاریخ کا دوسرا نہج اس زمانہ میں یہ ہونا چاہئے کہ واقعات و حوادث کو بغیر کسی نظریہ قائم کئے ہوئے پیش کر دیا جائے اور تاریخی مواد کو ایمانداری سے قارئین کے سامنے رکھ دیا جائے، اس کے بعد اپنی رائے اور اپنے نظریہ کو آخیر میں ظاہر کر دیا جائے۔ اس طرح تاریخی واقعات و حوادث کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ اس نہج کا پہلا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام تاریخی مادے مع ان کے مصادر کے جن میں تاریخی کتابیں آثار قدیمہ، قدیم عہد نامے، اور روایات شامل ہیں کھول کر بیان کر دی جائیں، پھر ان مواد پر تنقید و تبصرہ کیا جائے اور اخیر میں ایک واقعہ کو دوسرے سے مرتبط کرنے کے لئے ان میں تحلیل و استنتاج کو بروئے کار لایا جائے۔

ظاہر ہے کہ اس مرتبہ پر پہونچنے سے پہلے ہی مورخ کو کتب و مصادر کی زبان سمجھنی ضروری ہوگی، نیز اس زبان کی تاریخی اصطلاح سے بھی مفر نہیں ہو سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے علم تاریخ کے بعض مساعد و معاون موضوع سے بھی دلچسپی رکھنی پڑے گی مثلاً علم آثار قدیمہ، علم خطوط خواندگی، اور دوسری ضروری معلومات بھی ناقابل گریز ہیں۔

اس نہج پر تاریخ لکھنے پڑھنے میں ممکن ہے کہ مضمناً مغربین کے بعض طرز کو اپنانے کا الزام پیش کیا جائے لیکن یہ صرف الزام ہوگا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مغربین کے طرز کو اپنا کر ہم اپنے قدیم تاریخی مواد سے قطعاً استفادہ نہیں کر سکتے۔ دونوں کے اسلوب الگ ہیں کیونکہ مسلمانوں کا تاریخی مواد، ان کی تاریخی کتابیں، اور ان کے نظریات و اسالیب مغربین کی تاریخ سے مختلف ہیں، بالتفصیل اس اختلاف کے بیان کرنے کا تو موقع نہیں ہے۔

مثال کے طور پر اصطلاح تاریخ عربی یا اسلامی تاریخ پر بحث اور ریسرچ کے طریقے کو لیجئے، اسلامی تاریخ کا اعتماد اس سلسلہ میں کتب تاریخ، مصادر، تنقید و تبصرہ اور اس کے دوسرے واقعات کو سامنے رکھ کر سوچنے پر ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اپنی تاریخ پر تحقیق کرنے بیٹھتے ہیں تو ہم اس کے مصادر و اصطلاح کے سمجھنے کے محتاج ہو جاتے ہیں، اور اس وقت ہمارے ذہن میں تاریخی روایات کا ایک بحر ذخار ہونا نمایاں ہو جاتا ہے، یہ چیز مغربی تاریخ میں ناپید ہے، اور اسی کے ساتھ کتابوں کے بھی ایک عظیم انبار کی جانب مائل ہوتے ہیں جن میں نہ صرف طبقات و سیر اور وفیات و اعیان ہی کی کتابیں شامل ہیں، بلکہ ہماری تاریخ کے ضمن میں دوسرے اسلامی فنون بھی اسکے دوش بدوش چلتے ہیں، جس کی وجہ سے خراج، جغرافیہ، اور مشہور ادبا، مثلاً جاحظ تنوخی ثعالبی کی ادبی کتابوں کے ساتھ ساتھ فقہ و فتاوی تک کی کتابوں کو بھی سامنے رکھنا پڑتا ہے۔

مغربی و مشرقی طرز تاریخ نگاری میں ایک عظیم اور بنیادی فرق یہ ہے کہ مغرب زیادہ تر اہتمام روایت و مواد کا کرتا ہے اور مشرق کا تاریخ نویس اپنا زیادہ زور بیان روایات و اخبار کے راوی اور بیان کرنے والے پر

صَرف کرتا ہے اور اہنداریں وہ جو تاریخی روایت لکھتا ہے صرف موضوع کو مضبوط کرنے اور اس کی اعانت کے طور پر لکھتا ہے، اس طرح اس کا دار و مدار مورخ پر ہوتا ہے، اور مغرب کا روایات و اخبار پر، پھر اگر اس میں اتفاق کا ان کبھی لیا جائے تو مغربی فن تاریخ کہاں سے اسلامی تاریخ کی وسعت بیکراں لا سکتا ہے جس میں جانے کے بعد کنارہ ناپید ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہمارے اسلامی مورخ ایک دوسرے سے عام طور پر مختلف ہوا کرتے ہیں، اُن کے نظریات واسالیب الگ الگ ہوا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی راوی کے نام سے، تو کوئی اخباری کے نام سے کوئی مورخ کے نام سے، تو کوئی نساب کے نام سے، اور کوئی لغوی و اثری کے نام سے مشہور ہے۔ پھر ان میں بھی آپس میں نظریات واسالیب کا اختلاف پایا جاتا ہے جس کے پیش نظر ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم ہر ایک کی بات کو مستقل طور پر سمجھیں اور یہیں سے ہمارے فرائض ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ اس مرحلہ سے گذرنے کے بعد ہم کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اس مورخ نے یہ روایت زبانی کسی سے نقل کی ہے یا کتاب سے بیان کی ہے، وغیرہ۔

تاریخ کے بیان کرنے کے لئے ہم عربوں کی تاریخی اصطلاح اور ان کے اسلوب کو سمجھنے کے سخت محتاج ہیں، اور اُن کے نظریات سے بھی مفر نہیں، اور اُن اسباب و وجوہ کو بھی سامنے رکھنا ہوگا جو کتابتِ تاریخ کے سبب بنتے ہیں، اور عوام کی فن تاریخ سے دلچسپی کے موضوع کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں عربوں کی تاریخ کی، تاریخ سے بھی واقفیت حاصل کرنی ضروری ہے۔

یہ تمام باتیں یکجا طور پر ہمیں مغربی تاریخ کبھی بھی مہیا کرنے کی متحمل نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کا میدان بہت تنگ ہے، اور وہ صرف یورپ کی تاریخ تک محدود ہے

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں تاریخ کے دوسرے معاون و مددگار علوم بھی درکار ہیں مثلاً علم حدیث کے درس و تدریس کی تاریخ اور اس کے مختلف ادوار، اور اسی طرح علم لغت نیز تاریخی معانی کے تعین اور اس کی اصطلاحات کو بتلانے والے الفاظ کا علم بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔

بہرصورت ہمیں ایسا اسلوب اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو عربی تاریخ کے سمجھنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیسکے جس کے ذریعہ ہم تاریخ کی اصطلاح اور اس کے مصادر کو معلوم کر سکیں، تاکہ ہمارا علم تاریخ، ایک خالص علمی فن بن جائے اور ہمیں مغرب کے اسلوب و طرز نگارش کو اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

(مقتبس من العربی)

بقیہ تنقید و تبصرہ

خصوصیت ہے کہ وہ لفظ و بیان اور لب و لہجہ کی حد تک اپنے ادب میں قدیم فنی پابندیوں کے ساتھی ہیں لیکن موضوع، فکر اور خیالات کے اعتبار سے جدید مآخذ و مصادر پر بھی اُن کی بھرپور نظر ہے، پھر ان کا ادب سستا، ہیجان انگیز اور عریاں نہیں ہوتا، بلکہ سنجیدگی، شرافت اور بلندی ان کے ادب کے ضروری جز ہیں گوپال متل اپنے اُردو رسالہ "تحریک" کے ذریعے اس دور میں اُردو کی خاصی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس رسالہ کو اسکی مقصدی زندگی کے اعتبار سے دوسرے تمام رسائل پر امتیاز حاصل ہے۔

ماہنامہ تحریک نے حال میں اپنا ایک ضخیمہ اور خوبصورت غالب نمبر پیش کیا ہے جس میں غالب کے فن اور اسکی زندگی پر معلومات افزا مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ مولانا امتیاز علی عرشی نے اپنے مضمون "غالب اور برہان" تحقیق اور علمی ...